

رُکھ تھے اور نہ بستی اور نہ کوئی جنور تھا اور نہ کوئی اور، اور نہ پانی تھا اور ان کے لئے جو سچے مرتبے تھے اب زندہ ہوتے تھے اور ان میں زور بھرتا تھا۔ وہ اُس کے اندر سانس لیتا تھا اور پچھلاتا تھا اور اُس کے اوپر سورج الاؤ تھا جو اُس کی آنکھوں میں تھا اور اُس کا پسینہ تھا جو آنکھوں میں گرتا تھا اور وہ پاسا پالنٹا چاہتی تھی پر پلٹ نہیں سکتی تھی کہ بوجھ تلے دیتی تھی اور اٹھتی تھی اور پھر دیتی تھی ۔۔۔ پارو شنی بولی کہ بستی نہیں ہے اور پانی نہیں ہے ۔۔۔ اور نہیں ہیں ۔۔۔ وہ تھے ۔۔۔ اور وہ تھی اور اُس کا جسٹہ تحریر نہ لگا۔۔۔ انگلیاں کھبووں کو وہ آنے والے تھے ۔۔۔ اور وہ ہو گلتی تھی اور وہ ایسے آئے کہ اُسے بہانے لگے ۔۔۔ جیسے گھاگھرا بہنے لگا ہوا وہ اُس میں ہوا اور وہ دونوں اُس میں ایک دوسرے پر بہتے ہوں اور اوپر نیچے بہتے ہوں ۔۔۔ پانی تھا اور کھیت ہر سے تھے اور اُس کا اندر ہرا ہونے لگا ۔۔۔ اور اُس نے اُس پل جانا کہ اب اگر کتنے کامبیننڈ ہے تو سون بھادوں میں آنا بنتا تھا اور وہ دم سادھے سنگی اور وہ روئے گا۔۔۔ اور وہ روئے گایا وہ جان گئی تھی اس پل جب وہ گھاگھر کی خشک ریت پر پڑی تھی اور یہ ریت گیلی ہوتی تھی ۔۔۔ اور وہ دیتھی تھی کہ سمر و اُس پر سے اٹھا ہے اور کہتا ہے میں جب بھی دیکھتا تھا تو یہی دیکھتا تھا کہ اونچے کنارے میں اور درمیان میں ایک خشک راستہ ہے اور اس کی مشق میں ٹھیکریاں ہیں اور آس پاس کچھ نہیں ریت ہے ۔۔۔ اور ویرانی ہے اور ہم نہیں ۔۔۔ اور میں یہ سب سوتے میں دیکھتا تھا تو اب یہ سب کچھ میرے سامنے ہے تو میں اب سوتا ہوں یا جا گتا ہوں ۔۔۔ وہ یہ کہتا تھا اور چلتا جاتا تھا ۔۔۔ پارو شنی پاسا پلٹ کر اُسے دیتھی رہی کہ وہ یہ کہتا جا رہا ہے اور چلتا جا رہا ہے کہ جو میں سوتے میں دیکھتا تھا وہ اب ہے تو میں اب کیا ہوں سوتے میں ہوں یا جا گتے میں اور وہ چلتا جا رہا ہے اور پھر خشک راستے کے درمیان میں کھڑے ہو کر اُس نے پیچے مڑ کر دیکھا تو پارو شنی کو وہاں سورج الاؤ کے نیچے ایک رُکھ کی طرح لیٹھے دیکھا پر رُکھ لیسا جس کی کوکھ ہری ہو۔۔۔ اور پارو شنی نے اُسے وہاں کھڑے دیکھا اور پھر آنکھ جھپک کر دیکھا تو وہ وہاں نہیں تھا ۔۔۔

وہ اٹھی اور اپنے آپ کو سنبھالتی اور گئی ۔۔۔ وہ اب لڑکھدا تھا نہ تھی اور مرے ہوئے پکھروؤں کی طرح نہ تھی ۔۔۔ وہ اب ویسی تھی جیسی وہ ہوا کرتی تھی اور جب وہ وہاں تھی جہاں اُس نے سمر و کوکھڑے دیکھا تھا تو وہاں کچھ نہ تھا ۔۔۔ وہاں کوئی نہ تھا ۔۔۔ وہ اس خشک راستے میں گم ہو چکا تھا ۔۔۔ وہاں نہ تھا جہاں وہ سوتے میں آتا تھا وہاں اب وہ جا گتے میں چلا گیا تھا ۔۔۔

پھر وہ بستی کو لوٹتی تھی ۔۔۔

وہ ڈولتی تھی چلتے ہوئے جیسے سرکنشے کا سفید سفہ ڈلاتا ہے ہوا کے چلنے سے پر اس کے پاؤں گھستتے رہتے ۔

ان دنوں بڑے پانی آتے تھے پر وہ دن ایسے اپاؤں کی طرح ڈختتے اور جلاتے نہ تھے ۔ پہلی کے آؤے کے اوبرا آسمان صاف تھا اور اُس کے پاس کچھ اینٹوں کی چار دیواری کی سرفی دھوپ میں ایسی تھی کہ آنکھوں میں چبھتی تھی ۔

وہ پہلے میں بھیگتی جاتی تھی اور اُس کی آنکھوں کے سامنے ریت سے گرم ہوابل کھاتی اٹھتی تھی ۔

جب گلی سامنے آئی تو وہ رکی ۔۔۔ وہاں دھوپ نہ تھی اُس کے تلووں نے تپتی ریت تھی ۔ اُس نے گرد پیچھے کر کے اپر آسمان کو دیکھا جو گرمی سے پھوٹ گیا تھا اور پیچہ کا ہبوک رہا تھا ۔

اُس کے ویہڑے میں دھوپ ڈھل رہی تھی ۔ وہ پھر کے قریب جا کر یکدم بھوک پیاس اور دھوپ کے نیچے آئی اور گر پڑی ۔۔۔ وہ بہت دیر وہاں پڑی رہی اور چبھتی کی کچی دیوار کو دھوپ دھیرے دھیرے چھوٹی رہی اور اپر ہوتی رہی ۔۔۔ وہ زور جو جائے ہباں سے آیا تھا اور اُس کے جتنے میں بہتا رہا تھا اور اُس کاماس پیاس سے سوکھتا تھا اور اُس کامنہ کھتنا تھا اور ایک بار پھر مکھیاں اُس کے کھلے مند کے گرد بھجناتی تھیں ۔۔۔ اُس نے بڑی مشکل سے وہ بازو اپنے بوجھ سے نکالا جس پر وہ گری تھی ۔ اس بازو پر لگنگ تھے جو اُسے چبھتے تھے ۔۔۔ اُس نے دھوپ کو ویہڑے کی دیوار سے اٹھتے دیکھا ۔۔۔ اُس کے اندر بھی دھوپ کم ہوئی اور چھاؤں آئی اور اُسی چھاؤں میں ایک چوہا تھا جس میں اپنے تھے اور وہ دھیرے دھیرے ڈختتے تھے اور ان کا دھوان ویہڑے سے اپر اٹھتا تھا جیسے دھوپ کا پیچا کرتا ہو ۔۔۔ پارو شنی کے تھنے ایک وحشی چنور کی طرح پھر کے اور وہ اپاؤں کے دھویں کے لئے پھر کے تھے جو بے انت دنوں سے اُن کے اندر نہیں گیا تھا اور وہ بھی دھویں کی بس کے لئے ترسی اور اُس نے اپنی زردی میں تیرتی آنکھیں اُس چوہے پر جائیں جو وہ ہر شام جب دھوپ دیوار پر چھوڑتی تھی جلایا کرتی تھی اور پھر وہ اپنا پورا زور دوسرے بازو میں لا کر کہنی مکار اٹھی اور بیٹھ گئی اور ہو لے ہو لے ویہڑا پار کے چوہے کے پاس ہو گئی ۔۔۔ یہ چوہا پہلی نے پس کا کر دیا تھا ۔۔۔ اپاؤں کے بیچ رکھے گئے کافی نہیں اور سو بھی گھاس پتھروں کی رگڑ سے پھوٹتے والی پہلی چنگاری

سے ہی سلکنے لگے اور پھر اپلوں کا مہندی رنگ سیاہی میں بدلتے لگا۔ پاروشنی چوہلے پر جملکی اور سانس اندر کھینچ کر اپلوں پر پھونک ماری اور ان کے اندر آگ کی بیڑا ہٹ سنائی دی اور پھر بجھ گئی۔ دوسری پھونک کے بعد وہ دھواں دینے لگے اور پاروشنی پیچھے ہو گئی۔ اُس کی آنکھوں میں دھواں جانے سے پانی بہتا تھا۔ اُس نے پانی کو پوچھا انہیں رہنے دیا۔ اور دھواں اُس کے تھنوں میں گیا اور پھر ایک گھرے سانس کے ساتھ پورے جتنے میں پھیلا اور اُسے مست کیا۔

سفید دھواں دیہڑے میں سے اٹھ کر گلی میں پھیلاتا تھا۔ پاروشنی اپنے بازو سمیٹے اور ان پر ٹھوڑی رکھے اُس چوہلے کو تکتی تھی جس میں اپلے سلکتے تھے۔ اگلے اسٹوں میں اُسے آتا تھا اور ابھی سے محسوس ہوتا تھا۔ پھر دھوپ بستی سے بھی پرے ہوئی تو دیہڑے میں شام آنے لگی اور اپلے زیادہ روشن لگنے لگے اور پاروشنی انہیں بازو گھٹنوں پر رکھے دیکھتی رہی۔ چھپر کے نیچے گھڑوں کی پال تھی اور اُس میں وہ گھڑا تھا جس میں آدمی مُٹھی کنک تھی۔ اور کنک کا سواد تھا۔ پاروشنی اٹھی اور اُس گھڑے کو اُتار کر دیہڑے میں لے آئی۔ اُس کے گول مُنہ میں ہاتھ ڈال کر اُس نے کنک کے دانوں کو ٹیکھا تو اُن کے چھوٹے سے اسے ایک جھر بھری سی آئی جیسے اُن میں زور ہو جو پاروشنی میں اُس کی انگلیوں کے پوروں کے راستے اُترتا ہو۔ وہ مجھ تھے جن کے آس پاس پوری حیاتی ہوتی تھی۔ وہ مٹی تھے جس کے بغیر جڑیں دھوپ میں سوکھتی ہیں گہری نہیں ہوتیں۔ اُس نے اُن میں سے آدمی دانے مُٹھی میں سمیٹے۔ اور آدمی گھڑے میں رہنے دیئے۔

اپلوں پر راکھ کی تہہ جم رہی تھی اور ان میں سے کو بجھ کر آتی تھی۔ شام گہری ہو رہی تھی۔ وہ چھپر کے سامنے نبی ادھلی پر جملکی جس میں ریت بھر گئی تھی۔ اُس نے اُس میں سے ریت تھکالی اور پھر جھک کر پھونک ماری اور مُٹھی میں بند کنک کے چند دانے اُس میں ڈال دیئے۔

موٹلکی کنویں والے کرسے میں دھری تھی۔ وہ اسے لینے اندر گئی تو اسے ایسا لگا جیسے ادھ اُس تاریک کمرے میں کنویں کے اندر کوئی ہے جو سانس لیتا ہے اور اُس کے سانس کی گونج کنویں کی گولائی میں گھومتی گم ہوتی ہے۔ اُس نے موٹلکی اٹھائی تو وہ اُس کی انگلیوں کو

بہت پرانی لگی کہ یہ کب تھا جب اُس نے آخری بار لنک کوئی تھی اور پیسی تھی اور پھر روٹی پکائی تھی --- یہ بہت دن پہلے ہوا تھا جب وہ سب تھے --- چوہلے میں اپلے مدھم ہو رہے تھے ---

پارو شنی نے موٹکلی کو دونوں ہاتھوں سے درمیان میں سے پکڑا اور اپر اٹھایا --- وہ بہت بھاری تھی اور پارو شنی کا تزویر جا چکا تھا اور اُس کی ٹانگیں اُس کے بوجھ سے لرزنے لگیں اور اُس کی پیسائی اُسے بے حال کرتی تھی ---

اوھلی میں لنک کے چند دانے تھے اور اپر پارو شنی کے ہاتھوں میں موٹکلی تھی جس کے سرے پر ایک پتھر کا ٹکڑا تھا لنک گوشے کے لئے --- اُس نے موٹکلی کو اپنا پچاہوا زور دیا اور اُسے اوھلی میں دے مارا، لنک کے دانے اُس کے نیچے آکر پیسے گئے پر چند دانے موٹکلی کے کنارے سے لگے اور وہ اڑ کر اُس کی پنڈلیوں میں تیز کاششوں کی طرح جا گئے --- وہ موٹکلی کو ایک خاص ٹھہراؤ کے بعد اٹھاتی اور فضامیں بلند کرتے کرتے ٹھہر انس بنتے میں بھرتی اور پھر منہ کھول کر سانس باہر بھلاتے ہوئے ایک لمبی "۔۔۔ ہوؤ" کے ساتھ اُسے لنک پر دے مارتی ---

موٹکلی کا سر ارنک پر گر جاتا تو "۔۔۔ دھم" کی آواز آتی اور پارو شنی سانس بھلاتے ہوئے جو ایک لمبی "۔۔۔ ہوؤ" کرتی تو موٹکلی کی دھم اور پارو شنی کی ہوؤ مل کر ایک سر بناتے --- اور یہ آواز بتاتی کہ یہ پارو شنی ہے جو شام کی روٹی کے لئے لنک کو ٹھی ہے --- پر یہ آوازاب کے بتاتی --- وہاں سننے کو کوئی نہ تھا ---

ہوؤ --- دھم --- ہوؤ --- دھم ---

اور اس میں ایک اور آواز بھی شامل ہوتی تھی --- اُس کے لگنگن بازو اپر کرنے سے کھنکتے ہوئے نیچے آتے تھے اور شور کرتے تھے اور تب اُسے یاد آیا کہ وہ اس شور کو کم کرنے کے لئے لگنگن اٹار کر لنک گوشہ کرتی تھی --- اُس نے دونوں بازوں میں سے آدمی آدمی لگنگن اٹار دیئے --- اب انہی کا شور کم تھا لیکن تھا --- اور یہ شور اُس کے ماتھے پر لگتا تھا --- اُس نے موٹکلی رکھ کر سارے لگنگن اٹار دیئے --- اور اب وہاں کوئی شور نہ تھا --- صرف ہوؤ --- دھم --- جو کچھ بہن لو --- جتنا کچھ --- اتنا شور --- اتنا بھار ---

پارو شنی کا جسہ پیسے میں بھی گلتا تھا اور شام میں بھی دکھائی دیتا تھا --- اُس کے نوکھے ہوئے بجٹے میں سے بڑیاں جیسے ماس سے باہر آتی تھیں اور اُس کی آنکھیں

بڑی ہوتی تھیں اور انہی سے میں دکھائی دیتی تھیں ۔

ڈھم ۔۔۔ ہوؤ ۔۔۔ ڈھم ۔۔۔

پاروشنی کے پیروں میں ریت اُس کے پسینے سے گیلی ہوتی تھی ۔۔۔

گھاگھر کے اوپنے کناروں کے اندر اب خشک راستہ آخر تک چلے گا جس میں صرف

ٹھیکریاں ہوں گی اور خشک گھونگھے ہوں گے اور پکلی کے آؤے سے کبھی دھواں نہیں اٹھے گا اور پیتر کی چاندنی میں گھاگھر کے پانی کبھی نہیں لٹکیں گے ۔۔۔ وہ یہ سب جاتی تھی اور پھر بھی وہ کنک کو مٹتی تھی کہ اُس کے پاس آدمی مُٹھی کنک تھی اور اُس کے کھیت ہرے ہوئے تھے ۔۔۔

ڈھم ۔۔۔ ہوؤ ۔۔۔ ڈھم ۔۔۔ ہوؤ

کنک کو شنے کی ڈھم ڈھم کی آواز اٹھتی تھی اور پاروشنی کے ویپرے سے اپر ہوتی تھی اور پھر پھیلتی تھی اجڑ چھپروں پر اور ریت سے اٹی گلیوں میں اور ڈوبو مٹی پر جو کبھی تھی اور وہاں جہاں کبھی رُکتے تھے اور اب ریت تھی اور ایک سوکھی ٹہنی تھی اور مور کا پختہ تھا جس کے جھاڑو کے رنگ اُڑپکے تھے اور وہاں جہاں کبھی دریا تھا اور اب اوپنے خالی کنارے تھے اور ان میں پانی کی بجائے ڈھم ڈھم کی آواز مٹھرتی تھی اور سیرتی تھی ۔۔۔